گھریلو تشدُّد (روک تھام اور تحفظ) کا بل

Domestic violence (prevention and protection) Bill,2021

مفتی شعیب عالم
استاذِ جامعہ و نائب مفتی دار الافتاء

(دوسری قسط)

اگر یہ بل منظور ہوکر ایکٹ کی شکل اختیار کرلیتا ہے تو پھر دستور کی دفعہ ۲۰۳ (د) کے تحت اسے وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا جاسکتا ہے۔ وفاقی شرعی عدالت خود یا کسی شہری کی تحریک پر یا وفاقی یا صوبائی حکومت کی درخواست پر اس کا جائزہ لے کر یہ فیصلہ کرسکتی ہے کہ آیا یہ قانون اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے یا اس سے متصادم ہے۔ اس عدالت نے تمام قسم کی لاٹریوں، کورٹ فیس، کوٹہ سسٹم اور سود سے متعلق ۲۲ دفعات کو غیر اسلامی ہونے کی بنا پر کالعدم قرار دیا ہے۔

اگرچہ وفاقی شرعی عدالت کسی قانون کو غیر شرعی قرار دے کر کالعدم کرسکتی ہے، مگر آئین میں متعین کردہ اس کی اختیارات کی حدود بھی مدِ نظر رہنی چاہئیں۔ دستور کی دفعہ ۲۰۳ (ب) میں ہے:

''(ج) قانون میں کوئی رسم یا رواج شامل ہے جو قانون کا اثر رکھتا ہو، مگر اس میں دستور، مسلم شخصی قانون، کسی عدالت یا ٹریبونل کے ضابطہ کار سے متعلق کوئی قانون، یا اس باب کے آغازِ نفاذ سے (دس) سال کی مدت گزرنے تک، کوئی مالی قانون، محصولات یا فیسوں کے عائد کرنے اور جمع کرنے یا بینکاری یا بیمہ کے عمل اور طریقہ سے متعلق کوئی قانون شامل نہیں ہے۔''

اس دفعہ میں صراحت ہے کہ:

ا:۔ آئین ''وفاقی شرعی عدالت'' کے دائرہ اختیار سے باہر ہے، حالانکہ آئین ہی تمام قوانین کی بنیاد، ان کا منبع اور سرچشمہ ہے اور آئین ہی قوانین کی حدود متعین کرتا ہے۔ سود کے خلاف سپریم کورٹ کے اپیلٹ بنچ نے فیصلہ دیا جو معطل کردیا گیا اور معاملہ دوبارہ وفاقی شرعی عدالت بھیج دیا گیا۔ وفاقی شرعی عدالت میں یہ معاملہ تقریباً ڈیڑھ دہائی سے زیرِ سماعت ہے۔ مخالفین کا اعتراض یہ ہے کہ سود کا

لفظ دستور میں آیا ہے اور وفاقی شرعی عدالت کو دستور کی سماعت کا حق حاصل نہیں ہے۔

۲:۔ شخصی قوانین کو بھی اس کی دسترس سے دور رکھا گیا ہے، حالانکہ شخصی قوانین کا تعلق خاندان سے ہے۔ خاندان معاشرے کی اساس ہے اور معاشرہ ریاست کی بنیاد ہے، چنانچہ خاندانی نظام کے استحکام وعدمِ استحکام سے ریاست ضرور متأثر ہوتی ہے، مگر اسے بھی عدالت کی پہنچ سے دور رکھا گیا ہے۔

۳:۔ مالی قوانین کا تعلق ریاست کے اقتصادی ڈھانچے سے ہوتا ہے، جس سے ریاست کا ہر شعبہ بلکہ ہر فرد متأثر ہوتا ہے، مگر وفاقی شرعی عدالت اس نوع کے قوانین کی بھی سماعت نہیں کرسکتی ہے۔

۴:۔ جن قواعد وضوابط کو بروئے کار لاکر عدالتیں یا ٹریبونلز انصاف فراہم کرتی ہیں، وہ بھی اصل قوانین کی طرح نہایت اہمیت رکھتے ہیں اور بعض ماہرین کے بقول قانون کی خرابی سے زیادہ یہ ضابطہ جات خرابی رکھتے ہیں، مگر عدالت کو ان کے جائزہ کا بھی اختیار نہیں ہے۔

آئین کی مذکورہ بالا دفعہ سے واضح ہے کہ مسلم شخصی قانون اس کے دائرہ اختیار سے باہر ہے، مگر جج قانون بھی بناتے ہیں اور اپنے فیصلوں کے ذریعے اختیار بھی حاصل کرتے ہیں، چنانچہ وفاقی شرعی عدالت نے قرار دیا ہے کہ اسے منضبط عائلی قوانین کے جائزہ کا حق حاصل ہے، اس لیے زیرِ بحث بل کو ایکٹ بننے کے بعد وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا جاسکتا ہے۔ اگر وفاقی شرعی عدالت اسے اسلام کے منافی قرار دے دیتی ہے تو عدالت کا فیصلہ اس وقت اثر پذیر ہوگا جب ساٹھ یوم کے اندر عوامی حلقوں میں سے کوئی شخص یا چھ ماہ کے اندر خود وفاقی حکومت اس کے خلاف عدالتِ عظمیٰ میں اپیل دائر نہ کرے۔ اگر عدالتِ عظمیٰ کی اپیلٹ بنچ میں اس کے خلاف اپیل دائر ہوجاتی ہے اور عام طور پر حکومت ایسا کرتی ہے تو فیصلہ کے خلاف خود بخود حکمِ امتناعی (Prohibition order) حاصل ہوجائے گا۔ بقول منیر نیازی:

ایک اور دریا کا سامنا تھا منیر مجھ کو　　میں ایک دریا کے پار اُترا تو میں نے دیکھا

وفاقی شرعی عدالت کی مظلومیت اس سے بھی ظاہر ہے کہ:

۱:۔ اعلیٰ شرعی اور قانونی دماغ طویل عرصے تک مقدمے کی سماعت کریں، مختلف مقامات پر اپنے اجلاس رکھیں، ماہرین کی خدمات حاصل کریں اور جب حتمی اور قطعی فیصلہ صادر کردیں تو ایک ریڑھی بان، کوچبان یا پان کا کھوکہ لگانے والا اس کے خلاف درخواست دے کر اس کا فیصلہ موقوف کردے۔

۲:۔ سپریم کورٹ کا اپیلٹ بنچ بھی ایسی درخواستوں کی سماعت میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا اور اگر درخواست دہندہ حکومت ہو تو وہ بھی تاخیری حربے استعمال کرتی ہے، اس طرح اپیل کی سماعت میں برسوں لگ جاتے ہیں۔ وفاقی شرعی عدالت ۱۹۹۹ء میں قرار دے چکی ہے کہ ایوب خان کے دور سے نافذ مسلم عائلی قوانین آرڈی نینس کی دو دفعات (۴ اور ۷ متعلقہ بہ وراثت وطلاق) شریعت سے متصادم ہیں، لیکن

اس فیصلے کے خلاف اپیل تب سے شریعت اپیلٹ بنچ میں معلق ہے اور یہ قانون پچھلے ۲۱ سال سے صرف اس بنا پر نافذ ہے کہ شریعت اپیلٹ بنچ اس مقدمے کی سماعت کر کے اس پر فیصلہ نہیں دے رہی!

۳:۔ہائی کورٹ کے کسی فیصلے کے خلاف حکم امتناعی اس وقت تک حاصل نہیں کیا جا سکتا جب تک سپریم کورٹ اس کے بارے میں خصوصی حکم صادر نہ کرے، مگر وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیل دائر کرتے ہی حکمِ امتناعی حاصل ہو جاتا ہے اور اس وقت تک حاصل رہتا ہے، جب تک سپریم کورٹ کا اپیلٹ بنچ اس کا فیصلہ نہ سنا دے۔ (۱)

۴:۔ایک تشویشناک امر یہ بھی ہے کہ سپریم کورٹ کے اپیلٹ بنچ کے لیے ایسی کوئی مدت مقرر نہیں ہے جس میں وہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف دائر اپیل کا فیصلہ سنانے کی پابند ہو۔ اس وجہ سے سپریم کورٹ اگر اپیل پر فیصلہ کرنے میں تاخیر کرتی ہے، جو برسوں پر مشتمل ہو سکتی ہے، تو قانونی طور اس پر کوئی قدغن عائد نہیں ہے۔

اس جائزے سے وفاقی شرعی عدالت کی آئینی قوت واضح ہو جاتی ہے، مگر اس کے باوجود روشن خیالوں کو اس کا وجود محض اس وجہ سے گوارا نہیں ہے کہ یہ عدالت اسلام کی بنیاد پر فیصلے دیتی ہے۔

وفاقی شرعی عدالت تو کسی موجودہ قانون کا جائزہ لے سکتی ہے، مگر اس کے برعکس اسلامی نظریاتی کونسل کے اختیارات اس پہلو سے وسیع ہیں کہ وہ کسی مجوزہ بل کے متعلق بھی رائے دے سکتی ہے۔ دستور کی دفعہ ۲۳۰ کی شق ''الف'' اور ''ج'' اسے یہ اختیار بخشتی ہے۔ دستور کی دفعہ ۲۲۹ کے تحت اگر پارلیمنٹ کے چالیس فیصد ارکان مطالبہ کریں کہ اسلامی نظریاتی کونسل سے مشورہ کیا جائے کہ مجوزہ قانون اسلامی احکام کے منافی ہے یا نہیں؟ تو بل کو بغرضِ مشورہ کونسل بھیج دیا جاتا ہے۔ کونسل بل موصول ہونے کے پندرہ دن کے اندر پارلیمنٹ کو اس مدت سے مطلع کرتی ہے جس میں وہ مشورہ دے سکے گی۔

قومی اسمبلی کے اسپیکر نے یہ بل اسلامی نظریاتی کونسل بھیج دیا ہے، تا حال کونسل کی رائے تو منظرِ عام پر نہیں آئی ہے، تاہم قرینِ قیاس یہی ہے کہ وہ اس بل کو مسترد کرے گی، جس کی بڑی وجہ خود بل کے مندرجات ہیں کہ ایک مغربی قانون کو من وعن اپنے مذہب، آئین، روایات، اقدار اور حالات کی پرواہ کیے بغیر نافذ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کونسل کے لیے اس قسم کا بل کوئی نیا تجربہ نہیں ہے۔ گھریلو تشدُّد کے متعلق قانون سازی پر وہ ایک عرصے سے نظر رکھے ہوئے ہے اور اپنے آئینی دائرہ کار کے اندر رہتے ہوئے متعلقہ قانونی اداروں کو تجاویز وسفارشات فراہم کرتی آرہی ہے۔ ۲۰۰۸ء میں کونسل نے اس موضوع پر ورکشاپ کا اہتمام کیا اور حکومت کو تجویز دی کہ:

''گھریلو تشدُّد کے بارے میں قانون سازی سے فائدہ اس وقت ہوگا جب لوگوں کے

رویے میں تبدیلی لائی جائے۔‘‘

چاروں صوبوں میں اس نوع کی قانون سازی کے وقت بھی کونسل اپنے ملاحظات، اعتراضات، تجاویز اور سفارشات کا اظہار کرتی رہی ہے۔ مجوزہ مسودہ قانون جب گزشتہ سال قومی اسمبلی میں پیش ہوا تو کونسل نے مقننہ کے نام اپنے مراسلے میں اس کی بعض دفعات پر تحفظات کا اظہار کیا اور ساتھ میں لکھا کہ: ’’کونسل اس پر مزید کام کر رہی ہے، جامع تجزیہ اور مشاورت کے بعد کونسل اپنی حتمی رائے پیش کرے گی، اس لیے کونسل کی حتمی رائے آنے سے پہلے اس پر قانون سازی نہ کی جائے۔

یہ وہ وجوہات ہیں کہ جن کی بنا پر یہ قیاس قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ کونسل اس مجوزہ قانون کو سختی سے مسترد کرے گی، مگر اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ:

ا:- کونسل کو قوتِ نافذہ حاصل نہیں، اس کی آئینی حیثیت محض مشاورتی و سفارشی ہے۔

(دستور پاکستان، دفعہ: ۲۳۰)

اس کا نتیجہ ہے کہ کونسل اپنی سالانہ رپورٹیں پارلیمان کو پیش کرتی ہے اور آئین کی رو سے دونوں ایوان اور ہر صوبائی اسمبلی اس پر بحث کرنے اور مزید غور و خوض کرنے کے بعد قوانین وضع کرنے کی پابند ہے، مگر:

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

۲:- پارلیمنٹ پابند نہیں ہے کہ کونسل سے مشورہ حاصل ہونے تک بل کو ملتوی رکھے، بلکہ وہ کونسل کی رائے آنے سے قبل بھی بل منظور کر سکتی ہے۔

۳:- اگر کونسل اسے خلافِ شریعت قرار دیتی ہے تو پارلیمان کو بل پر از سرِ نو غور کرنا ہوگا، مگر وہ کونسل کی تجاویز کے مطابق قانون سازی کی پابند نہیں ہوگی۔ [دستور پاکستان، دفعہ: ۲۳۰(۳)]

ان دو آئینی اداروں کے علاوہ اعلیٰ عدالت میں کسی قانون کو اس بنا پر چیلنج کیا جا سکتا ہے کہ وہ ان بنیادی حقوق کے خلاف ہے جو آئین میں عطا کیے گیے ہیں۔

’’چونکہ دستور تمام اشخاص کے بنیادی حقوق، ان کے وقار اور قانون کی مطابقت میں ان کے ساتھ برتاؤ کیے جانے کے ان کے حق کو تسلیم کرتا ہے:

چونکہ یہ نہایت ضروری ہے کہ خواتین، بچوں اور بڑوں اور کسی بھی نادار شخص کو مؤثر خدمات کی فراہمی کے لیے تحفظاتی نظام قائم کیا جائے، تاکہ ایسا ممکنہ ماحول پیدا کیا جائے جو خواتین، بچوں، بڑوں اور کسی بھی نادار اشخاص کی معاشرے میں اپنی خواہش کے مطابق آزادانہ کردار ادا کرنے میں حوصلہ افزائی کی جا سکے اور سہولت دی جا سکے اور اس کے ضمنی

معاملات کے لیے انتظام کیا جاسکے:

اور ہرگاہ کہ یہ قرینِ مصلحت ہے کہ اقدامات کو ادارہ جاتی بنایا جائے جو تمام اشخاص، بشمول خواتین، بچوں، بڑوں اور کسی بھی نادار اشخاص کو گھریلو تشدد داور اس سے منسلکہ یا اس کے ضمنی معاملات کی روک تھام اور فراہمیِ تحفظ کے لیے ضروری حفظ ماتقدم فراہم کریں گے:

بذریعہ ہذا حسب ذیل قانون وضع کیا گیا ہے:''

ریاست کو کس حد تک قانون وضع کرنے کا اختیار ہے، دستور اس کی حدود وقیود متعین کرتا ہے۔ اس بل کی تمہید میں دستور کا حوالہ دینے سے مقصود بل کو دستوری بنیاد فراہم کرنا ہے، مگر یہ بل دستوری جواز سے محروم ہے، جس کی بڑی وجہ اس کا خلافِ شریعت ہونا ہے۔

جو کوئی قانون دستور کے مطابق ہو، مگر شریعت کے مخالف ہو، وہ واجب الرد ہے، کیونکہ دستورِ شریعت پر کسی دستور کو فوقیت حاصل نہیں ہے، مگر دستورِ پاکستان کی خصوصیت ہے کہ جو قانون شریعت کے خلاف ہو، وہ لازماً دستور کے بھی خلاف ٹھہرتا ہے، کیونکہ دستور، اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دیتا ہے اور قرآن وسنت کے مطابق قانون سازی کی ضمانت فراہم کرتا ہے:

''اسلام پاکستان کا مملکتی مذہب ہوگا۔'' [آئین پاکستان، آرٹیکل ۲]

''قراردادِ مقاصد مستقل احکام کا حصہ ہوگا۔'' [آرٹیکل (۲) الف]

''تمام موجودہ قوانین کو قرآن پاک اور سنت میں منضبط اسلامی احکام کے تابع بنایا جائے گا، جن کا اس حصے میں بطور اسلامی احکام حوالہ دیا گیا ہے، اور ایسا کوئی قانون وضع نہیں کیا جائے گا جو مذکورہ احکام کے منافی ہو۔'' [آرٹیکل ۲۲۷ (۱)]

یہ بل آئین کی بعض صریح دفعات کے بھی خلاف ہے، بلکہ پورا سچ یہ ہے کہ پوری آئینی اسکیم ہی کے خلاف ہے۔ آئین کی دفعہ: ۳۵ میں قرار دیا گیا ہے کہ:

''خاندان وغیرہ کا تحفظ: مملکت' شادی، خاندان، ماں اور بچے کی حفاظت کرے گی۔''

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی دفعہ: ۱۶ میں ہے:

''(۳) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حق دار ہے۔''

خاندان کی سادہ شکل رشتۂ ازدواج کی صورت میں قائم ہوتی ہے، پھر زوجین والدین کی صورت اختیار کرلیتے ہیں، بچے جوان ہوتے ہیں تو پھر اور ازدواجی رشتے بنتے ہیں، اس طرح کنبے اور قبیلے وجود میں آتے ہیں۔ الغرض خاندان کی ابتدائی صورت میاں بیوی کا باہمی تعلق ہے، جو پھیل کر

خاندان اور پھر مزید پھیل کر معاشرے کی صورت اختیار کرجاتا ہے۔اسی وجہ سے اسلام زوجین کے تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر بناتا ہے، مگر یہ بل اس ابتدائی بنیاد کو غیر مستحکم کرتا ہے۔ یہ بل اپنے مزاج میں زوجین کو بجائے رفیق کے فریق بناکر اور انہیں حلیف کے بجائے حریف ثابت کرکے اور انہیں بجائے زندگی کے دو پارٹ تسلیم کرنے کے، انہیں پارٹیاں قرار دے کر باہم مقابلے اور عداوت کی فضا پیدا کردیتا ہے، جس سے ازدواجی زندگی متزلزل ہوجاتی ہے۔ازدواجی زندگی کی بے یقینی اور انتشار سے خاندان کا ادارہ غیر مستحکم ہوجاتا ہے، اس سے معاشرہ عدمِ استحکام سے دوچار ہوجاتا ہے اور بالآخر ریاست کے ستون ہلنے لگتے ہیں۔ سماجی علوم بھی معاشرے کے انتشار کو ریاست کا انتشار قرار دیتے ہیں۔اس پہلو سے یہ بل دستور کے کسی ایک دفعہ کے خلاف نہیں، بلکہ آئین کی غرض وغایت کے خلاف ہے، کیونکہ آئین کا مقصد ریاست کا استحکام ہے، جب کہ یہ بل فرد کو بغاوت، گھر کو برباد، خاندان کا خاتمہ اور ریاست کے مرکزی ستون پر ضرب لگاتا ہے۔

آرٹیکل ۱۳۱ اسلامی طریق زندگی کے بارے میں ہے اور اس کی پہلی شق میں درج ہے کہ:

> ’’پاکستان کے مسلمانوں کو، انفرادی اور اجتماعی طور پر، اپنی زندگی اسلام کے بنیادی اصولوں اور اَساسی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنانے کے لیے اور انہیں ایسی سہولتیں مہیا کرنے کے لیے اقدامات کیے جائیں گے، جن کی مدد سے وہ قرآن پاک اور سنت کے مطابق زندگی کا مفہوم سمجھ سکیں۔‘‘

یعنی مسلمانوں کی زندگی اسلام کے بنیادی اصولوں اور اساسی تصورات کے مطابق تشکیل دی جائے گی، مگر اس بل کے پس پشت آزادیِ نسواں کے مفروضے اور بنیادی خیالات کارفرما ہیں۔خود قانون سازوں نے بھی اس حقیقت کو چھپایا نہیں ہے، بلکہ اختتامیہ میں اس کی صراحت بھی کردی ہے۔

حقوقِ نسواں تحریک کے نقطۂ نظر سے اس طرح کا قانون ان کے لیے حصولِ مقصد کی منزل نہیں، بلکہ اس کی طرف ایک پیش رفت ہے۔ان کی منزل کچھ اس نوعیت کی ہے جسے اسلام تو کجا کوئی بھی شائستہ مذہب قبول نہیں کرسکتا ہے، مثلاً مرد وعورت میں ہرطرح اور ہرسطح پر مساوات، تولیدی امور پر عورت کا مکمل کنٹرول، اباحیت، ہم جنس پرستی، مرد کی جائیداد میں عورت کا آدھا حصہ، وغیرہ۔

آئین آرٹیکل ۳۷ کی رو سے آئین معاشرتی برائیوں کا خاتمہ چاہتاہے، مگر یہ بل برائیوں کو فروغ دیتاہے، جس کی تین وجوہات ہیں:

۱:- یہ تعلیم وتربیت کے پہلو سے سرپرستوں کو بے اختیار کردیتا ہے۔تعلیم وتربیت کے لیے ترغیب کے ساتھ ترہیب کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔اگر ترہیب نہ ہوگی تو تعلیم نہ ہوگی اور تعلیم نہ ہوگی تو

اس کی ضد جہالت ہوگی اور جہالت تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے۔

۲- یہ بل شوہر، باپ اور سربراہِ خانہ کی تادیبی ولایت کی بھی نفی کرتا ہے، صرف نفی ہی نہیں، بلکہ اس پر سزا تجویز کرتا ہے، حالانکہ تادیبی اختیار کا مقصد اصلاحِ نفس ہے اور اصلاحِ نفس نہ ہوگا تو کردار وافعال اچھے ہو ہی نہیں سکتے۔

۳: - نہی عن المنکر کا حق عام مسلمانوں کو بھی حاصل ہے۔ سربراہِ خانہ، سرپرستوں اور اولیاء کو تو اس کا وجوبی حکم ہے۔ منکر کے ازالے کے لیے شریعت ایک عام مسلمان کو بھی تعزیر کا حق دیتی ہے۔ تعزیر کا مقصد بھی تہذیبِ نفس اور تعدیلِ اخلاق ہے، جس سے برائیوں کا خاتمہ ہوتا ہے، مگر یہ بل عام مسلمانوں سمیت گھر کے سربراہ اور بزرگوں کے ازالۂ منکر کے حق پر پابندی عائد کرتا ہے۔

اگر ہم کہیں کہ منکرات اور فواحش کے سدِباب کے لیے اس بل کی افادیت نہ ہونے کے برابر ہے تو یہ اس پر بہت نرم تنقید ہوگی، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ بل برائیوں سے روکتا نہیں ہے، بلکہ اس پر اُکساتا ہے، بلکہ اس کی طرف زبردستی دھکیلتا ہے۔ اس کی مثالیں جابجا اس بل میں بکھری پڑی ہیں، مثلاً: قرآن وسنت کا فحاشی کے خلاف جولب ولہجہ ہے وہ سب کو معلوم ہے، فحش کا مرکز عورت کی ذات ہے، اسی لیے اسے گھر میں قرار پکڑنے کا حکم ہے، اگر باہر نکلے تو شرعی حجاب کے ساتھ نکلے، کیونکہ بغیر حجاب کے نقل وحرکت سے مردوں سے اختلاط ہوتا ہے اور اختلاط سے شہوت کا ہیجان ہوتا ہے اور اس طرح فحش کا دروازہ کھلتا ہے۔ فحش جہاں گھستا ہے یا گھسا ہے وہاں شہوت کو پورا کرنے کے اخلاقی اور روحانی طریقے رخصت ہوئے ہیں اور اباحیت پھیل گئی ہے۔ مزدکیوں، بولشویکوں اور مغرب میں اباحیت اسی فحش کی وجہ سے پھیلی ہے۔ اب اس بل کو دیکھ لیجیے، جس کی رو سے بیوی کو شوہر کے علاوہ اپنے محبوب کے ساتھ اور بیٹی کو اپنے یار کے ساتھ نہ صرف ملنے بلکہ رہائش اختیار کرنے کا حق ہے۔ بل کی دفعہ: ۱۶ میں ہے:

''۱۶: - کمیٹی تحفظ کے فرائض اور کارہائے منصبی: کمیٹی تحفظ: (ج) اگر ضروری ہو تو متضرر شخص کی رضامندی سے، محفوظ مقام کی تلاش میں جو کہ متضرر شخص کو قابلِ قبول ہو میں متضرر شخص کی معاونت کرنا، جس میں کسی بھی رشتہ دار کا گھر یا خاندانی دوست یا دوسری محفوظ جگہ شامل ہوسکتی ہے۔''

جن ممالک میں یہ قانون نافذ ہوا ہے، وہاں اس کا یہی مطلب لیا گیا ہے کہ عورت کے خلوت کے تعلقات پر کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

تمہید میں یہ تأثر بھی دیا گیا ہے کہ بل کے نفاذ سے بنیادی حقوق کا تحفظ مطلوب ہے، مگر یہ دعویٰ محض ہے اور بل کے مندرجات اس سے انکار کرتے ہیں۔ بل حقوق کا تحفظ کم اور انہیں سلب زیادہ کرتا ہے۔ جس صورت میں کوئی فعل شریعت کی نظر میں جرم نہیں ٹھہرتا ہے، ان میں یہ بل بنیادی حقوق سلب کرتا

نظر آتا ہے۔ بل گھر کے بند دروازے کے پیچھے حالات کی کھوج میں رہتا ہے۔ [دفعہ:۲(۸)] جب کہ شریعت ''لاتتبع عورات النساء'' اور ''لاتحسّسوا و لا تجسّسوا'' کہہ کر اس سے منع کرتی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ کسی کے گھر میں اہلِ خانہ کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو۔ آرٹیکل: ۱۴ بھی اس کی تلقین کرتا ہے، جس کا عنوان ہے کہ: ''شرفِ انسانی قابل حرمت ہوگا'' اور اس کے تحت ہے کہ: ''شرفِ انسانی اور قانون کے تابع، گھر کی خلوت قابلِ حرمت ہوگی۔'' مگر بل میں معمولی باتوں کو قابلِ دخل اندازیِ پولیس قرار دیا گیا ہے۔ دیکھیے: [دفعہ: ۱۲(۲)] اور سرکاری اداروں کو گھریلو امور میں حد سے زیادہ مداخلت کا حق دیا گیا ہے۔

دستور کی دفعہ: ۱۵ آزادانہ نقل وحرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی اجازت دیتی ہے، مگر یہ بل اس پر کڑی پابندی لگاتا ہے۔ آئین کی دفعہ: ۲۰ کے تحت ہر شخص کو اپنے مذہب کی پیروی کرنے اور عمل کرنے کا حق ہے۔ مذہب کی پیروی میں غیروں کی اصلاح، دعوت وارشاد، تبلیغ وتذکیر، انذار وتخویف بھی داخل ہے اور اسی وجہ سے یہ امت خیرامت ہے۔ اگر یہ چیزیں مذہب پر عمل میں داخل نہیں ہیں تو پھر مذہب' نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کا نام ہے جو مذہب کا ناقص اور محدود تصور ہے اور اس معنی میں یہ حق غیر مسلم ریاستوں میں بھی مسلمانوں کو حاصل ہے۔ آئین کا آرٹیکل: ۲۳ اور ۲۴ جائیداد اور حقوقِ جائیداد کے متعلق ہے، مگر یہ بل مالک کو اس کی جائیداد میں داخلہ اور اس سے استفادہ سے محروم کرتا ہے۔ رشتہ دار بھی اس گھر میں نہیں جاسکتے جو حقِ اجتماع اور نقل وحرکت کے خلاف ہے۔ مدعی سے کوئی مل نہیں سکتا جو آزادیِ اظہار اور تقریر کے خلاف ہے۔ آئین کی رو سے صنف کی بنا پر کسی سے امتیاز نہیں برتا جائے گا، مگر اس بل کا مجموعی تأثر اور واضح میلان صنفِ نازک کی طرف ہے۔ آئین کی دو دفعات خاص طور پر سزا کے متعلق ہیں اور ان کا مقصد سزا میں بے اعتدالی سے بچنا ہے، مگر اس بل میں جرم اور سزا کے درمیان کوئی توازن ہی نہیں ہے۔ شریعت، قانون اور اقوامِ متحدہ کے عالمی منشور برائے انسانی حقوق کی رو سے ہر شخص معصوم ہے، جب تک اس کا جرم ثابت نہ ہوجائے، مگر اس بل میں ٹرائل کے مرحلے میں جب کہ الزام ابھی محض الزام ہوتا ہے' ملزم کے ساتھ مجرموں جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔

تمہید کے آخر میں ذکر کیا گیا ہے کہ مؤثر خدمات کی فراہمی کے لیے تحفظاتی نظام قائم کیا جائے اور اس سلسلے کے اقدامات کو ادارہ جاتی شکل دی جائے۔

آئین کی تعبیر وتشریح کرتے وقت سیاق وسباق کو دیکھا جاتا ہے اور تمام دفعات کو مدِنظر رکھ کر کوئی نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔ آئین کی دفعہ: ۲۵ کی رو سے ''مملکت' خواتین اور بچوں کے تحفظ کے لیے کوئی خاص اہتمام کرسکتی ہے۔'' مگر اس اہتمام کی اجازت اس قید کے ساتھ ہے کہ آئین کے دیگر احکام متأثر نہ

ہوں، کیونکہ وہ بھی دستور کا حصہ ہیں۔ اس بل کے اغراض کے لیے اگر ریاست خدمات کا کوئی مؤثر نظام قائم کرتی ہے اور اس سلسلے کے اقدامات کو ادارہ جاتی شکل دیتی ہے تو خود آئین کی رو سے شرط یہ ہے کہ شریعت کے احکام متأثر نہ ہوں، ریاست عدمِ استحکام کا شکار نہ ہو، خاندانی نظام متأثر نہ ہو، بنیادی حقوق پامال نہ ہوں، برائیوں کو فروغ نہ ملے اور وہ نظام شہریوں کے لیے قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزارنے میں سہولت پیدا کرتا ہو۔ اگر کوئی نظام ان شرائط کو پورا نہ کرتا ہو تو اس کا قائم کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ زیادہ صاف لفظوں میں جب قانون ہی شریعت اور آئین کی حمایت سے محروم ہے تو اس پر منظم انداز میں عمل درآمد کیسے درست ہوسکتا ہے؟

’’۲:-تعریفات: (۱) اس ایکٹ میں تاوقتیکہ کوئی امر موضوع یا سیاق وسباق کے منافی نہ ہو:

(ایک) ’’متضرر شخص‘‘ سے کوئی بھی خاتون، بچہ، بڑا کوئی بھی نادار شخص یا کوئی بھی دیگر شخص مراد ہے جو مسئول الیہ کے ساتھ گھریلو تعلق میں ہو یا رہ چکا ہو اور جو الزم لگاتا ہو کہ مسئول الیہ کی جانب سے گھریلو تشدُّد کے کسی فعل کے تابع رکھا گیا ہے۔‘‘

اس بل کے ذریعے جن اشخاص کی دادرسی مقصود ہے، بالفاظِ دیگر جن کو تشدُّد سے محفوظ رکھنا مطلوب ہے، ان کا بیان کیا گیا ہے، جو کہ درج ذیل افراد ہیں:

۱:- خاتون، خواہ بالغہ ہو یا نابالغہ

۲:- بچہ بشرطیکہ اٹھارہ سے کم عمر کا ہو، خواہ نسبی ہو یا رضاعی یا لے پالک ہو۔

۳:- بڑا یعنی بالغ شخص

۴:- کوئی بھی نادار اور کمزور شخص۔ نادار کی تعریف آگے آتی ہے۔

۵:- کوئی بھی دیگر شخص

متضرر سے دادخواہ، فریادی، مظلوم، ستم رسیدہ، ناراض، رنجیدہ وغیرہ ہے۔ جس شخص کو قانونی اعتبار سے کوئی مضرت پہنچے وہ شخص متضرر کہلاتا ہے یا ایک شخص جس کی جائیداد، حقِ رائے دہی یا ذاتی حق کو مضرت پہنچے، وہ شخص متضرر ہے۔ [قانونِ لغت، مؤلف جسٹس تنزیل الرحمٰن صاحب مرحوم، ص: ۳۲]

بوڑھوں اور کمزوروں کے متعلق اسلامی نظریاتی کونسل نے تنقید کی تھی کہ بل ان کا احاطہ نہیں کرتا ہے، شاید اسی وجہ سے اس بل میں ’’کوئی بھی نادار‘‘ یا ’’کوئی بھی دیگر شخص‘‘ کے الفاظ کا اضافہ کرکے ان کو شامل کردیا گیا ہے۔

اس بل کی رو سے اگرچہ خاندان کا کوئی بھی رکن، خواہ مرد ہو یا عورت، بالغ ہو یا نابالغ، دادرسی طلب کرسکتا ہے، مگر بل کی بنیاد اس مفروضے پر ہے کہ ہمیشہ سرپرست اپنے ماتحتوں کے خلاف، مرد عورت

کے خلاف، شوہر بیوی کے خلاف، باپ اولاد کے خلاف اور بھائی اپنی بہن کے خلاف تشدُّد کا مرتکب ہوتا ہے۔ احکام کے بیان میں تمثیلات بھی ایسی دی گئی ہیں جن میں بچہ، خاتون اور معذور افراد کو مظلوم کی مثالوں میں پیش کیا گیا ہے۔ سزائیں بھی ایسی تجویز کی گئی ہیں جو باپ، شوہر اور سرپرست پر نافذ کی جاسکتی ہیں۔ این جی اوز کا پروپیگنڈہ عورت کی حمایت میں ہوتا ہے اور بین الاقوامی دباؤ بھی ان ہی کے سلسلے میں ہوتا ہے، جس سے متاثر ہوکر بل بے اعتدالی اور انتہا کا شکار ہوگیا ہے۔ کیا اولاد والدین کے متعلق، ماتحت سرپرست کے متعلق، بیوی شوہر کے خلاف اور عورت دوسری عورت کے خلاف تشدُّد کی مرتکب نہیں ہوتی؟ تشدُّد کا رجحان خواتین میں بھی پایا جاتا ہے، چنانچہ اس موضوع پر لکھی گئی کتابیں اس کا ثبوت ہیں۔ بیویاں جو صحت کو مرض سے، دولت کو فقر سے، عزت کو ذلت سے، سکون کو بے سکونی سے اور مثالی گھرانے کو جہنم کدہ بنادیتی ہیں، اولاد جو بوڑھے والدین کی خدمت واطاعت کے بجائے ان کے ساتھ ظالمانہ اور بے رحمانہ سلوک کرتی ہے، ان پر ہاتھ اُٹھاتی ہے، جائیداد پر قبضہ کرتی ہے اور ان کو گھر سے بے دخل کردیتی ہے، بہنیں جو سرِعام بھائیوں کو رسوا کردیتی ہیں، بہو جو شوہر کو خاندان سے کاٹ دیتی ہے اور ساس جو اپنی انا کے لیے بہو کا گھر برباد کردیتی ہے، بل کے قائم کردہ معیار کے مطابق یہ بھی تشدُّد ہے یا نہیں؟ اور اس کے لیے بھی کوئی سزا تجویز کی گئی ہے یا نہیں؟ کیا ظلم ہے کہ بیوی بچوں کے بہتر مستقبل کے لیے جس کے بال سفید، کمر دوہری، بصارت کمزور اور ہاتھوں میں رعشہ طاری ہوگیا ہے، وہ بیوی کے سامنے اونچی آواز سے بات اور اولاد کی خرمستیوں اور شاہ خرچیوں پر اُف تک نہیں کرسکتا، اس لیے کہ جذباتی تشدُّد ہے اور قابلِ مواخذہ ہے۔

’’دفعہ: ۲ تعریفات: (دو) ’’بچہ‘‘ سے مسئول الیہ کے ساتھ گھریلو رشتہ میں رہنے والا اٹھارہ سال سے کم عمر کا کوئی فرد مراد ہے اور اس میں کوئی بھی متبنی، سوتیلا یا رضاعی بچہ شامل ہے۔‘‘

شریعت کی رو سے بلوغت کی کم از کم عمر لڑکے کے حق میں نو سال اور لڑکی کے حق میں بارہ سال ہے اور اکثر مدت دونوں کے لیے پندرہ سال ہے۔ بلوغ کی عمر اٹھارہ سال مقرر کرنے سے یہ مضحکہ خیز صورت بھی پیدا ہوجاتی ہے کہ کوئی شخص صاحبِ اولاد ہے، مگر قانون کی نظر میں تاحال وہ نابالغ ہے، جب کہ شریعت اس طرح کی مضحکہ خیزیوں سے پاک ہے۔ عقلی امکان کی رو سے شریعت میں مرد پچیس سال کی عمر میں دادا اور عورت اُنیس سال میں نانی بن سکتی ہے۔

بچہ خواہ سگا ہو یا سوتیلا، وہ بچہ ہوتا ہے اور اس پہلو سے رشتوں کے بیان میں لے پالک یا رضاعی رشتے کے بیان میں حرج نہیں ہے، البتہ ان رشتوں سے جڑے حقوق کے درمیان امتیاز کرنا چاہیے۔ اس بل کی ایک بڑی خامی یہ ہے کہ نسب اور رضاعت، قریبی رشتہ داروں اور دور کے عزیزوں میں کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا ہے، بلکہ سب کو ایک سطح پر فرض کیا گیا ہے اور اسی بنیاد پر ان کو مساوی

حقوق دیئے گئے ہیں۔ اس مساویانہ فلسفۂ حقوق کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قریب یا دور ہر ایک رشتہ دار کی حق تلفی مساوی جرم ہو اور اس پر سزا بھی مساوی ہو، چنانچہ اس بل میں سب کی سزا مساوی ہے اور ایک بہت دور کے عزیز کو جس کو انسانی ہمدردی کی بنا پر کبھی ٹھکانہ دیا ہے، اس پر چیخنا اور چلانا بھی اتنا ہی بڑا جرم ہے جتنا سگی والدہ کے متعلق ہے۔ سزاؤں کی یہ غیر منطقیت اور غیر معقولیت اس غلط بنیاد کی وجہ سے ہے کہ سب کے حقوق برابر فرض کیے گئے ہیں۔

''(سات) ''گھر'' سے ایسا گھر مراد ہے جہاں متضرر شخص رہتا ہو یا کسی بھی مرحلے پر آیا کہ اکیلا یا مسئول الیہ کے ہمراہ گھریلو تعلق میں رہ چکا ہو اس میں مذکورہ گھر شامل ہے، خواہ ملکیتی ہو یا متضرر شخص اور مسئول الیہ کی جانب سے مشترکہ طور پر کرایہ پر لیا گیا ہو یا ان میں سے ایک کی جانب سے ملکیتی ہو یا کرایہ پر لیا گیا ہو، کوئی بھی ایسا گھر جس کی نسبت متضرر شخص یا مسئول الیہ یا دونوں مشترکہ طور پر یا اکیلے کوئی حق، حقیت، مفاد یا نسبت رکھتے ہوں اور اس میں ایسا گھر شامل ہے جو کہ مشترکہ خاندان سے تعلق رکھتا ہے، جس کا مسئول الیہ رکن ہو، اس حقیقت سے قطع نظر کہ آیا مسئول الیہ یا متضرر شخص مذکورہ شراکت شدہ گھر میں حق، حقیت، مفاد رکھتا ہو۔''

فوجداری قانون کی روح یہ ہوتی ہے کہ اس میں جرم کسے قرار دیا گیا ہے؟ اور اس پر سزا کیا تجویز کی گئی ہے؟ اس بل میں ''گھریلو تشدُّد'' کو جرم قرار دیا گیا ہے، مگر اس کو سمجھنے سے پہلے ''گھر'' پھر ''گھریلو تعلق'' کو سمجھنا ضروری ہے، اس کے بعد بآسانی گھریلو تشدُّد کو سمجھا جا سکتا ہے۔

گھر کی تعریف کا حاصل یہ ہے کہ جہاں ستم رسیدہ رہتا ہو یا اکیلے یا مسئول الیہ کے ہمراہ گھریلو تعلق میں رہ چکا ہو۔ اس کے بعد گھر کی تعریف میں عموم پیدا کرنے کے لیے کہا گیا ہے کہ:

۲:۔ گھر خواہ دونوں کا مملوکہ ہو یا دونوں کی طرف سے کرایہ پر لیا گیا ہو یا کسی ایک کا مملوکہ ہو یا ایک نے کرایہ پر لیا ہو۔

۳:۔ دونوں یا کوئی ایک اس میں کوئی حق، حقیت یا مفاد رکھتے ہوں۔

۴:۔ خاندان میں سے کسی اور کا گھر ہو، مگر مسئول الیہ وہاں رہتا ہو، خواہ مسئول الیہ یا متضرر میں سے کوئی اس میں کوئی حق، حقیت یا مفاد رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔

''(پانچ) ''گھریلو تعلق'' سے اشخاص کے درمیان تعلق مراد ہے جو گھر میں اکٹھے رہتے ہوں، یا کسی بھی وقت رہ چکے ہوں اور خواہ ہم نسبی، شادی، قرابت داری، تبنیت کی رو سے تعلق رکھتے ہوں، یا خاندان کے اراکین اکٹھے رہ رہے ہوں یا کسی بھی دیگر وجہ سے عارضی

طور پر یا مستقل طور پر ایک مقام پر رہائش پذیر ہوں۔‘‘

حاصل یہ ہے کہ:

۱:-ایک سے زائد اشخاص ہوں۔ اشخاص کی تعریف بل میں نہیں ہے، اس لیے مجموعۂ تعزیرات پاکستان کی تعریف لاگو ہوگی، مجموعہ کی رو سے شخص کی تعریف میں مرد، عورت، بچہ اور شخص غیر حقیقی (ایسوسی ایشن، انجمن) وغیرہ بھی شامل ہے۔

۲:-ان کے درمیان نسب، زوجیت، قرابت یا تبنیت کا رشتہ ہو۔

۳:-یہ اشخاص کسی بھی وجہ سے عارضی یا مستقل طور پر اکھٹے رہ رہے ہوں یا کسی وقت رہ چکے ہوں۔

اس تعریف سے چند ایسے نتائج برآمد ہوتے ہیں جو شاید مقننہ کا بھی منشا نہ ہوں، مثلاً:

۱:- ایک لمحہ کے لیے جو ساتھ رہائش پذیر رہے ہوں، ان میں بھی گھریلو رشتہ ثابت ہوگا، کیونکہ مدت کی کوئی تحدید تعریف میں نہیں گئی ہے۔

۲:-مدعی (متضرر) اور مدعی علیہ (مسئول الیہ) میں مطلق قرابت کافی ہے، خواہ کسی جہت سے ہو، اس لیے بہت دور کے رشتہ دار بھی اس کے عموم میں شامل ہیں۔

۳:-حد درجہ عموم کی وجہ سے یہ تعریف درج ذیل صورتوں پر بھی صادق آتی ہے:

الف:-ایک خاندان کے لوگوں نے حج کے موقع پر حرمین کے ہوٹلوں یا منی کے خیموں میں رہائش رکھی ہو، یا

ب:-تفریح کی غرض سے ایک ہوٹل میں قیام کیا ہو، یا

ج:-رشتہ دار تعلیم کی غرض سے ایک ہاسٹل میں رہے ہوں، یا

د:-تجارت یا ملازمت کی غرض سے ایک جگہ اکھٹے رہے ہوں، یا

ھ:-مطلقہ بیوی جو گھر سے نکلنے سے انکار کر رہی ہو، یا

و:-کوئی قریبی رشتہ دار جو کسی وجہ سے ساتھ سکونت پذیر ہو اور اسے گھر چھوڑنے کا کہا ہو، مگر وہ ٹال مٹول سے کام لے رہا ہو۔

گھریلو تعلق کی تعریف میں یہ تفصیل بھی نہیں ہے کہ رشتہ دار کس حیثیت سے ساتھ رہ رہا ہو یا رہا ہو۔ یہ تفصیل نہ ہونے سے اس میں وہ رشتہ دار بھی داخل ہیں:

جو مہمان کی حیثیت سے آئے ہوں، یا

زیارت اور ملاقات کی غرض سے ٹھہرے ہوں، یا

جو کسی ناگہانی ضرورت سے ٹھہرے ہوں، یا

جنہیں انسانی ہمدردی کے تحت کچھ عرصہ کے لیے رہائش دی گئی ہو۔

یہ تمام صورتیں اس وجہ سے داخل ہیں کہ تعریف میں وقت، مقام اور حیثیت کی تحدید نہیں ہے۔ یہ تمام اشخاص قانون کے ظاہری الفاظ کے مطابق عرصہ بعید اور مدتِ مدید کے بعد تشدُّد کا دعویٰ کر سکتے ہیں، حالانکہ قانون سازوں کا بھی یہ منشا نہیں ہے اور وہ بھی اس سے اتفاق نہیں کرتے ہوں گے، مگر قانون کے عموم میں یہ صورتیں داخل ہیں۔

’’(پندرہ) ’’مسئول الیہ‘‘ ایک شخص ہے جو متضرر شخص کے ساتھ گھریلو تعلق میں ہو، یا رہ چکا ہو اور اس ایکٹ کے تحت جس کے خلاف دادرسی مانگی گئی ہو۔‘‘

یعنی وہ شخص جس پر گھریلو تشدُّد کا الزام ہو، جسے مدعیٰ علیہ، جواب دِہ اور ملزم سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

مصادر و مراجع

ا:- وفاقی شرعی عدالت کے قیام کا پس منظر اور ضروریات، جسٹس تنزیل الرحمٰن صاحب مرحوم

(جاری ہے)